علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ایک ہدف

افتخار گیلانی

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی اور مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد جب مسلمان بے کسی اور کسمپرسی کے دور سے گزر رہے تھے، تو دہلی کے اجمیری گیٹ پر واقع دہلی مدرسہ (حال اینگلو عربک اسکول) کے استاد مولوی مملوک علی نانوتویؒ (۱۷۸۸ء-۷/اکتوبر ۱۸۵۱ء) کے دو شاگردوں نے قوم کو اعتماد لوٹانے کی نیت سے دہلی کو خیرباد کہہ کر دو الگ سمتوں میں دو شہرہ آفاق اداروں کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ مسلمانوں کو دوبارہ بااختیار بنانے کے لیے تعلیم کو ذریعہ بنانے پر وہ متفق تھے، مگر اس کے نظام اور طریق کار پر ان میں اختلاف راے تھا۔ مغربی اترپردیش کے قصبہ شاملی میں علما کے قتل عام سے پریشان مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۸۳۳ء-۱۸۸۰ء) نے ۱۸۶۶ء میں سہارن پور کی طرف کوچ کر کے دیوبند کے مقام پر انار کے ایک پیڑ کے نیچے دارالعلوم قائم کیا۔ جو آج اپنی آن بان اور شان کے ساتھ قائم ہے اور جنوبی ایشیا میں اُم المدارس کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مسلمانوں کی دینی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب و اقدار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک نظریاتی حصار تیار کرنے کی لگن میں تھے۔ اس کے دس سال بعد مولانا مملوک علیؒ کے دوسرے شاگرد سرسیّد احمد خانؒ (۱۸۱۸ء-۱۸۹۸ء) نے دہلی کے جنوب میں ۲۵۰ کلومیٹر دُور ۱۸۷۷ء میں برطانوی حکومت کی مدد سے اوکسفرڈ اور کیمبرج کی طرز پر ایک کالج کی بنیاد رکھی، جس کی پاداش میں انھیں کفر کے فتوؤں سے بھی نوازا گیا۔ اسی کالج کو بعد ازاں ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ سرسیّد احمد مذہبی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور سائنسی مزاج پیدا کرنا چاہتے تھے، اور ساتھ ہی ان کو مغرب کے ساتھ مکالمے کے قابل بنانا چاہتے تھے۔ دینِ اسلام کی تعبیر کے حوالے سے سرسیّد کی اپروچ

مضحکہ خیز مگر قومی تعمیر حوالے سے قابلِ فہم تھی۔ اسی لیے دینی حوالے سے سرسیّد کہیں دکھائی نہیں دیتے مگر قومی درد کے حوالے سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ اپنی تاسیس سے لے کر آج تک مسلمانوں کو درپیش سیاسی اور سماجی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں درس گاہوں، یعنی دارالعلوم اسلامیہ دیوبند اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا لائحہ عمل متضاد اور متحارب رہا ہے۔

مغربی علوم پر دسترس رکھنے والے علی گڑھ کے اسکالرز نے ۲۰ویں صدی کے اوائل ہی میں شراکتِ اقتدار کا مطالبہ کیا اور پھر آل انڈیا مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد اور تحریک پاکستان کے لیے راہ ہموار کی۔ دوسری طرف دیوبند کے بعض فارغ التحصیل اسکالرز نے پاور اسٹرکچر یا پاور پولیٹکس میں مرکزی کردار ڈھونڈنے کے بجاے انڈین نیشنل کانگریس کے سیکولرازم پر بھروسا کرنے کو ترجیح دی۔ اگست ۱۹۴۷ء میں انگریز سے آزادی کے بعد دیوبندی علما کی تنظیم جمعیت العلما ہند تو ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت تک ایک طرح سے کانگریس کی ذیلی تنظیم کی طرح کام کرتی رہی ہے۔ان کے اکابرین کو اس کے عوض اقتدار میں نہیں، مگر اقتدار کی راہداریوں میں کچھ وزن پایا، جیسے راجیہ سبھا میں کچھ مدت کے لیے نمایندگی وغیرہ۔ ان عہدوں کا کتنا فائدہ عام مسلمان کو ہوا، اس کا پول ۲۰۰۶ء میں 'جسٹس راجندر سچر کمیٹی' نے کھول دیا۔

مغرب کے مشہور علمی اداروں کی طرز پر ایک ہزار ایکڑ پر محیط علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں فی الوقت ۳۰ ہزار طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ ۱۱ ہزار کے قریب اکیڈمک اور نان اکیڈیمک اسٹاف ۳۵۰ مختلف کورسز پڑھانے میں معاونت کرتے ہیں۔ علی گڑھ ریلوے اسٹیشن کے مغرب میں سول لائنز کے بعد پورا علاقہ ہی یونی ورسٹی کے نام سے موسوم ہے، جہاں سابق پروفیسرز کی کالونیوں کے ساتھ ساتھ دیگر علاقوں کے متمول مسلمان بھی بس گئے ہیں۔ یہ شاید بھارت میں واحد جگہ ہے، جہاں مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور ان کا عظیم الشان ماضی ایک فلم کی طرح چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یہاں کا اسکالر اپنی مسلم شناخت کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی خاصی دسترس رکھتا ہے۔ بھارت کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں معیار کے حوالے سے اس کی رینکنگ ساتویں نمبر پر ہے۔ اس کا میڈیکل کالج نویں مقام پر ہے۔بس اسی وجہ سے یہ ادارہ برہمن نسل پرستوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔کبھی اس ادارے کی مسلم شناخت کو ختم کرنے کی سازش کی جاتی ہے

اور کبھی کسی معمولی واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر کے ایسا تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ 'یونی ورسٹی بھارتی سلامتی کے لیے خطرہ ہے'۔

مجھے یہ بات اچھی یاد ہے کہ مسلم یونی ورسٹی رابط عامہ کے سابق افسر راحت ابرار کے کمرے میں صبح سویرے ہندی اخبارات اور چینل کے نمایندے آدھمکتے تھے۔ چائے نوش کرتے ہوئے وہ کہتے تھے کہ: ''ہمارے آفس سے دباؤ ہے کہ یونی ورسٹی سے کوئی تڑپتی پھڑکتی خبر لانی ہے، جس کو نمک مرچ لگا کر مشتہر کرنا ہے''۔ حالیہ قضیہ بھی کچھ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ۱۹۳۸ء سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے دفتر میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی آویزاں تصویر اچانک قابل اعتراض ہوگئی۔ فرقہ پرست تنظیموں نے مقامی ممبر پارلیمنٹ کی شہ پر تشدد اور ہنگامے کیے، حتیٰ کہ یونی ورسٹی میں گھس کر بے دردی سے مسلم طلبہ کو نشانہ بنایا اور ڈیوٹی پر موجود پولیس تماشا دیکھتی رہ گئی۔

چند سال قبل میں شملہ کے انڈین انسٹیٹیوٹ آف ایڈوانس اسٹڈیز کے ایک پروگرام میں مدعو تھا۔ وائسرائے ہاؤس میں بنائے گئے اس ادارے کے ایک ہال میں بھی قائداعظم کی ایسی ہی ایک تصویر آویزاں ہے۔ پارلیمنٹ اور دہلی کے تین مورتی ہاؤس میں بھی جنگ آزادی کے رہنماؤں کے ساتھ قائداعظم کی تصویر آویزاں ہے۔ علی گڑھ کو نشانہ بنانے کا مقصد صرف یہی ہے کہ نریندر مودی کی دوسری اننگ کے لیے فضا تیار کی جائے۔ بی جے پی کو جب بھی اپنی شکست نظر آتی ہے تو وہ ماحول کو مسلم دشمنی پر مبنی فرقہ وارانہ رنگ دینے اور ہندوؤں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

بعض معروف مسلمان شخصیات اس یلغار سے بوکھلا کر یونی ورسٹی کے ذمہ داران کو مشورہ دے رہی ہیں کہ وہ حالات کی بہتری اور ادارے کے مفاد کی خاطر اس تصویر کو ہٹادیں۔ صحافی شمس تبریز قاسمی سوال کرتے ہیں کہ: ''کیا تصویر ہٹادینے سے تنازع ختم ہوجائے گا؟ کیا نسل پرست برہمنوں کی جانب سے مستقبل میں کسی اور معاملے کو لے کر ادارے پر حملہ نہیں کیا جائے گا؟ اسی لیے یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ بی جے پی کو تکلیف محمد علی جناح کی تصویر سے ہے یا اے ایم یو کے وجود سے؟ وہاں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ سے یا مسلمانوں کی تعلیمی ومعاشی ترقی سے؟''

یہ امرِ واقعہ ہے کہ ان کا اگلا اعتراض یونی ورسٹی کے نام میں شامل لفظ 'مسلم' پر ہوگا۔ ویسے بھی بی جے پی کو اعتراض ہے کہ ایک سیکولر اور جمہوری ملک میں کسی تعلیمی ادارے کا نام کسی ایک مذہب کے نام پر نہیں ہوسکتا، جس کے اخراجات حکومت ادا کرتی ہو۔ آیندہ جلد یا بدیر ان کا اعتراض کیمپس میں موجود مساجد پر ہوگا۔

۲۰۱۵ء میں ہی وزیراعظم نریندر مودی کی حکومت نے اپنا زعفرانی نظریاتی رنگ دکھاتے ہوئے سپریم کورٹ میں کہا تھا کہ: ''علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ایک اقلیتی ادارہ نہیں ہے''۔ بھارت میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کا تناسب ویسے بھی سب سے نیچے ہے۔ اسکولوں میں داخل ہونے والے ۱۰۰ بچوں میں سے صرف گیارہ اعلیٰ تعلیم تک پہنچ پاتے ہیں، جب کہ ہندوؤں میں یہ تعداد ۲۰ فی صد ہے۔ اس صورت حال میں اگر اس کا اقلیتی کردار چھن جاتا ہے تو مسلمانوں کی تعداد اور بھی کم ہوجائے گی۔ اس وقت علی گڑھ اور دہلی کے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۵۰ فی صد نشستیں مسلمان طلبہ کے لیے مختص ہوتی ہیں۔ مزید دل چسپ پہلو یہ دیکھیے کہ بھارتی اٹارنی جنرل نے سپریم کورٹ میں کہا: ''ایک سیکولر ریاست میں مرکزی حکومت کیسے ایک اقلیتی ادارہ قائم کرسکتی ہے؟''

گویا جو 'سیکولرازم' بی جے پی اور آر ایس ایس کے نزدیک ناپسندیدہ شے ہے، اقلیتوں کے آئینی حقوق سلب کرنے کے لیے اسی 'قابل نفرت' اصطلاح کا سہارا بھی لیا جارہا ہے۔ چند برس قبل اس وقت کے وائس چانسلر صبغت اللہ فاروقی نے مجھے بتایا تھا کہ: گذشتہ کانگریس حکومت نے بھی اس ادارے کو کافی نقصان پہنچایا۔ ان کے مطابق ۵۳۵ کروڑ روپے کی سالانہ گرانٹ میں سے ۹۵ فی صد تنخواہوں وغیرہ پر صرف ہوجاتی ہے اور ایک قلیل رقم ریسرچ اور دوسرے کاموں کے لیے بچتی ہے۔ اور تو اور گذشتہ حکومت نے کیرالا، مغربی بنگال، مہاراشٹر اور بہار میں علی گڑھ یونی ورسٹی کے کیمپس بنانے کا اعلان کیا، جن کے اخراجات اسی گرانٹ سے پورے کرنے ہیں۔

بہرحال، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی تاریخی حیثیت ختم کرنے کی کوشش کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں اس وقت کے وزیرتعلیم ایم سی چھاگلہ نے پارلیمنٹ میں ایک قانون لاکر اس کا اقلیتی کردار ختم کروایا، جس کو ۱۹۶۷ء میں سپریم کورٹ کی تائید حاصل ہوئی۔ بڑی جدوجہد کے بعد ۱۹۸۱ء میں بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کی حکومت نے قانون سازی کے ذریعے اقلیتی

کردار کو بحال کیا۔ پھر اسی پارلیمانی ایکٹ میں ایک نقص تلاش کرکے ۲۰/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو الٰہ آباد ہائی کورٹ نے فیصلہ سنایا کہ یہ اقلیتی ادارہ نہیں ہے۔ لیکن یونی ورسٹی اور تب من موہن سنگھ حکومت نے اس کو سپریم کورٹ میں چیلنج کردیا اور ابھی تک یہ مقدمہ زیرسماعت ہے۔ اس تنازعے میں بھارتی مسلمانوں کے لیے خیر کا ایک پہلو بھی چھپا ہے۔ پچھلے ۷۰ برسوں سے بھارت میں مسلم طبقے کو ایک طرح سے تقسیم کا ذمہ دار ٹھیرا کر دائمی 'احساسِ جرم' میں مبتلا کیے رکھا گیا ہے۔ اس معاملے میں سیکولر کانگریس اور ہندو نسل پرست آر ایس ایس کا موقف یکساں ہے۔ جہاں تقسیم اور اس کے محرکات پر کہیں بحث چھڑ گئی، دونوں تنظیمیں اکٹھا ہوکر اس کو دبانے میں لگ جاتی ہیں۔ بی جے پی کے معتدل مزاج لیڈر جسونت سنگھ نے جب: Jinnah: India, Partition, Independence کتاب لکھ کر تقسیم کے محرکات سے پردہ اٹھایا تو آر ایس ایس اور کانگریس دونوں نے یک جا ہوکر ان کو سیاست سے ہی کنارہ کشی پر مجبور کردیا۔ پھر بی جے پی کے سابق صدر لال کشن ایڈوانی کا حال بھی ایسا ہی کیا۔

وقت آگیا ہے کہ مسلمان اور مسلم قائدین، تاریخ کے دریچے کھول کر تقسیمِ ہند اور انگریز سے آزادی کے دوران ہندو کردار پر کھل کر بحث کریں اور ان سبھی ہندو لیڈروں کو بے نقاب کریں، جنھوں نے مسلمانوں کو بے وقعت کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور جن کی ہٹ دھرمی نے تقسیم کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتے تھے، جو انھوں نے بدھ مت، جین مت اور سکھوں وغیرہ کے ساتھ کیا ہے۔ اسی برہمنی ذہنیت نے ہر اس انقلابی، مذہبی یا روحانی تحریک کو نگلا ہے، جس نے بھی زعفرانی جارحیت کو چیلنج کرنے کی ہمت کی ہو۔ ان کی نیت صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ جوہر کھینچ لیا جائے، جو انھیں زندہ اور بے باک رکھتا ہے۔ بس یہی ایک چیز ہے، جس سے ہندو نسل پرست عفریت (Monster) پیچ و تاب کھا رہا ہے اور شکار پھانسنے کے نئے نئے منصوبے بناتا رہا ہے۔ مسلمانوں کو معتوب بنانے کے لیے انھیں بھارت میں دائمی احساس جرم میں مبتلا رکھا گیا ہے، تاکہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرسکیں۔ سیکولر کانگریس کو خدشہ ہے کہ اگر یہ بحث چھڑ گئی تو نہ صرف اس کے کھوکھلے سیکولرزم کا جامہ اُتر جائے گا، بلکہ اس کے لیڈروں کا پول بھی کھل جائے گا۔

اللہ اکبر جل جلالہ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — مصطفیٰ رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ [القمر: 22]

ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

آئیں!

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۰ روزہ دعوتی وتربیتی نور ہدایت کورس

برائے مرد وخواتین

★ ہر ماہ یکم سے 10 تاریخ تک ★

بمقام
مرکز نور ہدایت
دھامراہ، ضلع لاڑکانہ

اہلیت
ناظرہ قرآن پڑھا ہوا،
پڑھا ہوا یا ان پڑھ، اور
ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والا
شرکت کرسکتا ہے۔

سہولت
قیام مفت
تعلیم ۔۔۔ مفت
طعام ۔۔۔ مستحق افراد کے لئے
بذمہ ادارہ

خواتین کے لئے
الگ رہائش

مرکز نور ہدایت دھامراہ ۔۔۔ لاڑکانہ شہر سے رتوڈیرو روڈ پر صرف 08 کلومیٹر کے فاصلے پر

اکاؤنٹ برائے عطیات: اکاؤنٹ ٹائٹل ادارہ اصلاح ملت دھامراہ رجسٹرڈ، اکاؤنٹ نمبر 4-1459 برانچ کوڈ 0111
نیشنل بینک آف پاکستان رتوڈیرو برانچ، ضلع لاڑکانہ (سندھ)

بانی مرکز نور ہدایت
مربی و معلم
پروفیسر حافظ سعید احمد دھامراہ
0331-3917607
0300-9415495

سرپرست
محمد عاشق دھامراہ ایڈووکیٹ
0331-3410223
0301-2079122

معلمہ برائے خواتین
دختر حافظ سعید احمد دھامراہ

رمضان المبارک میں دورۂ قرآن، دورۂ ترجمہ قرآن، دورۂ تفسیر قرآن اور خلاصہ قرآن کے لیے مفید

تمام 114 سورتوں کا زمانہ نزول، مرکزی مضمون، کلیدی الفاظ ومضامین پر مشتمل

خلیل الرحمان چشتی کی نہایت مفید کتاب

قرآنی سورتوں کا نظم جلی

کا نیا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

اس کے علاوہ

قواعد زبان قرآن

اور دیگر کتب دستیاب ہیں۔ آرڈر آج ہی بک کروائیں

اسلام آباد: موبائل نمبر 0300 55 60 900, 0346 50 02 504

دارالکتب السلفیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ رابطہ نمبر: 0333 43 34 804, 0423 73 61 505

ادارہ معارف اسلامی: اسلامی بک سنٹر ڈی 35، بلاک 5، فیڈرل بی ایریا کراچی

رابطہ نمبر: (021) 36 80 9201, 36 34 9840 موبائل نمبر 0321 38 44 511